سلاطین تغلق اور صوفیہ کرام کے تعلقات کا جائزہ

Analysis of Relation of salateen Tughlaq and Sufia krram

Umar Zaman

Ph D Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore

Abstract:

After the preach of last Prophet Muhammad (SAW) in Makkah Islam spread in the far off territory of the world. In 93 Hijri Muhammad bin Qasim came in sindh as a conquerer and layed down the foundations of Islamic culture and civilization in subcontinent. Then many other sufias also came here to play their role to spread Islam. In era of Tughlaq the sufias made great contribution for the guidance of the people. The people of subcontinent were very fed up from the civilization the Hindus in this region that is why they accepted Islam and became the true muslims and followers of Islam. In this article the relation of sufias with salateen e Tughlaq has been described and discussed from the history of the area of subcontinent.

Keywords: Sufias, subcontinent, relation of Sufia, Salateen e Tughlaq

پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ سے وابستہ صوفیہ کرام کو عوامی الناس میں بہت زیادہ پذیرائی حاصل تھی اور نہ صرف مرکز حکومت میں بلکہ ملک کے مختلف اور دور دراز علاقوں میں بھی اس سلسلہ کے صوفیہ کرام اور مشائخ عظام مسانید پر جلوہ افروز نظر آتے تھے اور دہلی کی مرکزی خانقاہ سے ان کے رابطے استوار تھے۔ یوں جس طرح دہلی اسلامی ہند کی سیاست کا مرکز تھی اس طرح ”قبۃ الاسلام“ اہل ایمان کی روحانی و تہذیبی سیادت کا بھی پلجاء و ماوا تھا۔ چنانچہ سلطنت و مشیخت کے باہمی تعلقات کے مثبت یا منفی اثرات بر عظیم کی ملت اسلامیہ پر پڑنے ضروری تھے۔

آستانوں پر جلوہ افروز مشائخ اور برسر اقتدار سلاطین ان دونوں کی یکجائی اور اتحاد کو اہل اسلام کی روحانی ترقی اور مادی کامرانی کے لیے لازم و ملزوم سمجھنا چاہیے۔ یہ بات تو تسلیم شدہ ہیں کہ ان صوفیہ کرام نے اگر سلاطین کے ساتھ تعلقات قائم کیے بھی ہیں تو اس میں ان کی کوئی ذاتی غرض نہ تھی بلکہ مخلوق کی فلاح و بہبود اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا موثر کام کرنا تھا۔ بناء برین ہم سلطان محمد بن تغلق اور اس کے معاصر مشائخ چشتیہ سے اس کے تعلقات کا

برصغیر میں اشاعتِ اسلام کے لیے صوفیہ کرام کی کاوشیں اور اثرات

قدرے تفصیل سے جائزہ لیں گے۔ صوفیہ کرام کے ملفوظات کے مرتبین، تذکرہ نگار اور عہدِ حاضر کے مؤلفین یہ بات تو اتر کے ساتھ دہراتے آئے ہیں کہ سلسلہ چشتیہ سے وابستہ مشائخ و صوفیہ سلاطین وقت سے خود تعلقات قائم کرنے کے سخت خلاف تھے۔ جن مشائخ کے سلاطین سے تعلقات تھے وہ سلاطین کی طرف سے تھے نہ کہ ان صوفیہ و مشائخ کی طرف سے تھے۔

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر کا ارشاد ہے:

”لو ارد تم درجہ الکبار فعلمکم بعدم الالتفات الی ابناء الملوک۔“¹

”اگر تم لوگ بڑوں کے مرتبہ تک پہنچنا چاہتے ہو تو بادشاہ زادوں سے بے تعلق و بے

التفات رہو۔“

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سلسلہ چشتیہ کے نامور بزرگ حکومتی عہدے قبول نہ کرتے تھے اور ان سے ضروریات سے زیادہ میل جول کو روحانی سعادت کے منافی خیال کرتے تھے مگر ایسا بھی نہ تھا کہ وہ حکومت کے مخالف تھے اور ان کے اربابِ اقتدار سے تعلقات خراب تھے۔ یہ بات تو مسلم ہے کہ وہ ان تعلقات سے کبھی ذاتی منافعت حاصل کرتے بلکہ دین کا یا مخلوق خدا کا ہی کوئی نہ کوئی کام لیتے۔ دوسری وجہ ان کو امور ریاست میں شریعت مطہرہ کی روشنی میں رہنمائی کرنا ہوتی تھی۔

امیر خورد کرمانی لکھتے ہیں:

”سلطان شمس الدین التمش کے ہاں ایک دفعہ ذاتی کام سے خود معین الدین چشتی دہلی

تشریف لائے تھے اور ان کے خلیفہ شیخ قطب الدین بختیار کاکی اس سلسلہ میں سلطان

کے پاس بنفسِ نفیس تشریف لے گئے تھے۔“²

سیر اولیاء میں کرمانی مزید لکھتے ہیں:

¹ محمد بن مبارک میر خورد، سید، ”سیر الاولیاء“، (دہلی: مطبع محب ہند، 1302ھ)، ص: 85۔

² محمد بن مبارک میر خورد، سید، سیر الاولیاء، ص:۔

”شیخ قطب الدین بختیار کاکی نے البتہ اپنے عہد کے سلاطین و خوانین سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھا، لیکن ان کے ایک خلیفہ شیخ بدر الدین غزنوی کے اپنے زمانے کے بادشاہوں اور امیروں سے تعلقات تھے۔“³

کرمانی شیخ فرید الدین اور ان کے پوتے کی سلاطین سے بے رغبتی کے بارے لکھتے ہیں:
”اس طرح شیخ فرید الدین مسعود درباروں سے الگ تھلگ رہے لیکن ان کے صاحب زادہ نظام الدین لشکر بلبلی میں برسر کار تھے۔ ان کے پوتے شیخ علاء الدین ارباب حکومت سے لا تعلق رہے۔“⁴

درج بالا حوالہ جات سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پشتیہ سلسلہ کے مشائخ حکمرانوں سے دور ہی رہتے تھے۔ کیونکہ یہ بزرگ جانتے اور سمجھتے تھے کہ حکمرانوں کی قاربت سے بہت ساری خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر کسی بزرگ ہستی نے ارباب اقتدار سے تعلق قائم کیا بھی تو ان میں کوئی دینی منفعت ہی ہوگی۔ ان کے صاحبزادگان کے سلاطین سے تعلقات کے بارے کرمانی لکھتے ہیں:

”مگر ان کے صاحبزادگان شیخ معز الدین و شیخ علم الدین، سلطان محمد بن تغلق سے وابستہ تھے اور اول الذکر نے گجرات کے باغی ایران صدہ سے لڑتے ہوئے جان دیدی تھی۔ شیخ علم الدین کو اسی سلطان نے بابا فریدگی مسند سجادگی پر متمکن کیا اور شیخ الاسلام کا منصب بلند ارزونی فرمایا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیخ مظہر الدین کو یہ منصب تفویض کیا گیا۔“⁵

اس طرح امیر خور کرمانی مرتب ”سیر الاولیاء“ کے دو چچا کے بھی سلاطین سے بڑے اچھے تعلقات تھے اس بارے کرمانی خود لکھتے ہیں:

3 ایضاً، ص: 176-

4 ایضاً، ص: 100-

5 ایضاً، ص: 206-

برصغیر میں اشاعتِ اسلام کے لیے صوفیہ کرام کی کاوشیں اور اثرات

”سید قطب الدین کرمانی اور سید کمال الدین کرمانی نے حکومت وقت کا ساتھ دیا

اور محمد بن تغلق کے دربار سے وابستہ رہے۔ ان حضرات نے حکومت سے تعاون

کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہ کی۔“⁶

لیکن اس سلسلہ کے دو صاحبانِ عزیمت و استقلال بھی تھے جنہوں نے اپنے بزرگوں کے اسوہ پر عمل کیا اور محمد بن تغلق کے جبر و ظلم کے آگے سر نہ جھکائے اور عزم کے کوہِ گراں بنے رہے۔ ان میں سب سے نمایاں نام حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کا ہے جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے جانشین تھے۔ حضرت سلطان المشائخ کے خلفاء میں شیخ قطب الدین منور ہانسوی، شیخ فخر الدین زراوی، شیخ شمس الدین یحییٰ اور شیخ برہان الدین غریب نے بھی سلطان محمد بن تغلق سے اپنے آپ کو لا تعلق ہی رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بزرگ محمد بن تغلق سے صرف اس لیے دور نہ رہے کہ ان کا یہ تعلق روحانی سعادت کے منافی تھا بلکہ انہوں نے سلطان سے اس لیے بھی بے تعلق رہنا پسند کیا کہ وہ اس کے مذہبی افکار اور حکومت کے مذہبی ہونے سے متفق نہ تھے۔ وہ اسے صرف ایک دنیوی حکمران سمجھتے تھے اور اس کے نت نئے افکار و خیالات کو اسلام کے اصول و ارکان کے منافی خیال کرتے تھے۔ محمد بن تغلق دراصل ابن تیمیہ کے افکار سے متاثر تھا اس لیے بھی وہ صوفیہ و مشائخ کے متعلق اچھے خیالات نہیں رکھتا تھا۔

شیخ قطب الدین منور

شیخ قطب الدین منور ہانسوی، شیخ فرید الدین شکر گنج کے محبوب مرید و خلیفہ شیخ جمال الدین ہانسوی کے پوتے اور شیخ برہان الدین ہانسوی کے بیٹے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ نے بطور خاص ان باپ، بیٹے کی روحانی تربیت کی تھی۔ شیخ قطب الدین منور دہلی سے دور ہانسی میں اپنے باپ دادا کی خانقاہ میں مقیم اور گرد و نواح کے مسلمانوں کی روحانی و اخلاقی تعلیم و تربیت میں مشغول رہتے تھے۔ حکومت وقت سے وہ کسی قسم کا تعلق نہ رکھتے تھے۔ اور نہایت عسرت سے قانعانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی یہ بے نیازی سلطان محمد بن تغلق کو پسند نہ آئی اور اس نے ترغیب و ترہیب سے ان کی مطمئن زندگی کو پراگندہ و منتشر کرنا شروع کر دیا۔

اس بارے امیر خوردمزید بیان کرتے ہیں:

⁶ ایضاً، ص: 224۔

”ایک دفعہ سلطان محمد بن تغلق نے ایک لاکھ تکہ نذرانہ بھیجا مگر شیخ نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور بڑے اصرار کے بعد صرف دو ہزار تکے قبول کیے اور اس رقم کو شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے روضہ کے فقراء میں تقسیم کر دیا اور جو رقم باقی بچی اسے شیخ نصیر الدین محمود کے درویشوں کو دیے دیا۔“⁷

کرمانی مزید لکھتے ہیں:

”اس سے قبل شیخ قطب الدین منور نے سلطان کو دو گاؤں کی پیشکش کی تھی جو قاضی کمال الدین صدر جہاں کے ذریعے کی گئی تھی مسترد کر دیا تھا۔“⁸

شیخ فخر الدین زراوی

شیخ فخر الدین زراوی سلطان المشائخ کے فاضل خلفاء میں سے تھے اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں یگانہ روزگار تھے۔ انھیں اپنے مرشد سے اتنی محبت تھی کہ حلقہ ارادت میں داخل ہونے کے بعد ان کے حسین حیاث غیاث پور میں مقیم رہے۔ وہ مدت العمر ترک و تجرید اور خلوت گزینی پر عامل اور درس و تدریس و تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ اپنے مرشد کے وصال کے بعد بھی انھوں نے آستانہ شیخ نہ چھوڑا اور اس سے وابستہ رہے۔ سلطان محمد بن تغلق نے جب دیوگیری کو دوسرا پایہ تخت بنایا اور تسخیر خراسان کا سودا اس کے سر میں سمایا تو اس نے دہلی کے اکابر مشائخ کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ انھیں میں شیخ فخر الدین زراوی بھی تھے۔ مولانا سلطان سے ملنا نہ چاہتے تھے، مگر مجبوراً انھیں دربار میں جانا پڑا۔ سلطان کے دبیر خاص شیخ قطب الدین دبیر، مولانا کے شاگرد اور سلطان المشائخ کے مرشد (مرید) تھے، انھوں نے مولانا فخر الدین زراوی کو دوسرے شیوخ سے پہلے سلطان کے سامنے پیش کیا۔ بوقت ملاقات شیخ قطب الدین دبیر نے مولانا کے جوتے اٹھا کر بغل میں دبا لیے۔ سلطان یہ دیکھ کر بہت غصہ ہوا مگر اس وقت کچھ نہ بولا۔ اس نے مولانا سے کہہ کہ میں خراسان و ترکستان سے چنگیز خان کے خاندان کی حکومت کو ختم کرنا چاہتا ہوں آپ اس کام میں میری مدد کریں۔ مولانا نے جواب میں فرمایا: ”ان شاء اللہ“ سلطان نے کہا یہ کلمہ شک ہے، مولانا نے فرمایا کہ مستقبل کے لیے یہی استعمال ہوتا ہے۔ بعد ازاں اس نے کھانا منگوایا اور ایک ہی رکابی میں مولانا کے ساتھ کھانا شروع

⁷ محمد بن مبارک میر خورد، سید، ”سیر الاولیاء“، ص: 261۔

⁸ ایضاً۔

برصغیر میں اشاعتِ اسلام کے لیے صوفیہ کرام کی کاوشیں اور اثرات

کردیا۔ مولانا سخت متکلف ہوئے اور بہت تھوڑا کھانا کھایا۔ سلطان سمجھ گیا کہ میرے ساتھ کھانا مولانا کو اچھا نہیں لگا۔ دربار سے واپسی پر سلطان نے مولانا کو ایک جامہ، صوف اور زر نقرئی کی تھیلی پیش کی۔ قطب الدین دبیر کو یہ بات معلوم تھی کہ مولانا اس تحفہ کو قبول نہ کریں گے اور سلطان انھیں اس حیلہ سے قتل کروادے گا۔ چنانچہ انھوں نے یہ لباس اور تھیلی فوراً اٹھالی۔ امیر خور د کا بیان ہے:

”آخر عمر تک جب سلطان کے سامنے مولانا فخر الدین زراوی گا ذکر ہو تو کفِ افسوس ملتا اور کہتا کہ افسوس فخر الدین میری تنغِ خوں آشام سے بچ گئے۔ مولانا کو دوسرے بزرگوں کے ساتھ دیوگیر جلاء وطن کر دیا گیا، وہاں سے سفر حج پر روانہ ہوئے۔ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد وہ بغداد تشریف لے گئے۔ وہاں کے علماء کی مجالس میں انھوں نے احادیث کا درس دیا اور تمام علماء عراق سے لائق و فائق قرار پائے۔ بعد میں وطن کی محبت نے یا اپنے شیخ کی عقیدت نے جوش مارا اور وہ سفر ہند پر روانہ ہو گئے۔ اثنا سفر ان کی کشتی ڈوب گئی اور علم و عمل کی یہ ”علقِ نفیس“ اہل ہند کے ہاتھوں سے نکل گئی۔“⁹

شیخ شمس الدین بیہی

شیخ شمس الدین بیہی اودھ سے تحصیل علم کے لیے دہلی آئے اور علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ ان کا علمی پایہ نہایت بلند تھا اور دہلی کے بیشتر اہل علم ان کے شاگرد تھے، انھیں میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی بھی تھے۔ زمانہ طالب علمی سے سلطان المشائخ کی بارگاہ میں حاضری پیش کرتے تھے اور ان سے علمی استفادہ بھی کیا جاتا۔ شیخ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوئے اور حسبِ روایت امیر خور د حضرت شیخ کے یارِ اعلیٰ میں وہ نہایت مکرّم و معظّم اور صاحبِ صدر تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے، ان میں حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی شرح بھی کی۔ وہ دہلی کی علمی و روحانی مجالس کے روحِ رواں تھے۔ آپ علوم شرعیہ اور علم باطنیہ سے مالا مال تھے۔ آپ کا شمار بھی فقیہ صوفیہ کرام میں ہوتا ہے۔

⁹ محمد بن مبارک میر خور د، سید، ”سیر الاولیاء“، ص: 281۔

امیر خور دسیر اولیاء میں لکھتے ہیں:

”ان کی مرجعیت سلطان محمد بن تغلق کو پسند نہ آئی اور انھیں قصر شاہی میں طلب کر لیا۔ کئی روز کے انتظار کے بعد اندر بلایا اور کہا: تم جیسا دانش مند یہاں کیا کر رہا ہے؟ کشمیر جاؤ اور وہاں کے بت خانوں میں بیٹھ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ اس کام کی تعمیل کی غرض سے سرکاری کارندے مقرر کیے کہ وہ مولانا کو دہلی سے ”بہ جبر کفرستان کشمیر“ میں پہنچادیں (اس وقت تک کشمیر میں ہندو آباد تھے) لیکن مولانا شمس الدین یحییٰ کے سینے میں پھوڑا نکل آیا، سلطان کو اس کی اطلاع ملی تو سمجھا کہ شیخؒ نہ جانے کا بہانہ کر رہے ہیں چنانچہ اسی شدید علالت کے دوران انھیں سلطان کے سامنے پیش کیا گیا، جس سے اسے مولانا کی علالت کا یقین ہوا۔ مولانا شمس الدین یحییٰ نے اسی علالت سے انتقال کیا۔“¹⁰

اس سے معلوم ہوا سلطان صوفیہ کرام سے سخت رویہ اپناتا تھا اور ان بزرگ ہستیوں پر بھی وہ اپنا حکم چلانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کے اس رویہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان کے دل میں ان بزرگوں کی محبت نہ تھی بلکہ زور زبردستی کے ذریعے کام لینا چاہتا تھا۔ جب سلطان ایسا گھٹیا سلوک کرتا تھا تو ان مشائخ کے دل میں کیسے اس کی قدر ہو سکتی تھی۔ صوفیہ کرام تو خود دل سے دنیا داروں اور دنیاوی مقام و منصب پر فائز لوگوں تعلق بنانے کے حق میں نہیں ہوتے۔

شیخ نصیر الدین محمود

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی، حضرت سلطان المشائخ کے ارشد مسترشدین و اجل خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنے مرشد کے وصال کے بعد وہی ان کے سجادہ نشین اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے اپنے وصال کے وقت خواجہ خواجگان کا خرقة عصاء کا سہ اور نعلین انھیں تفویض فرمایا، جو اس امر کی علامت تھی کہ وہی ان کے خلیفہ اور مرکز روحانی کے صدر نشین ہیں۔ اگرچہ حضرت شیخ کے خواہر

¹⁰ محمد بن مبارک میر خور دسیر، ”سیر الاولیاء“، ص: 233۔

برصغیر میں اشاعتِ اسلام کے لیے صوفیہ کرام کی کاوشیں اور اثرات

زدگان نے ان کے ”جماعت خانہ“ کو خاندانی ترکہ قرار دے کر اپنے تصرف میں لے لیا، اور شیخ نصیر الدین محمود کو اس مقام پر قیام کرنا پڑا جہاں بعد میں ان کا مزار تعمیر کیا گیا۔ لیکن ”صدر ہر جا کہ نشین صدر است“ وہی اپنے مرشد کے خلیفہ راستین اور سلسلہ چشتیہ کے عہدِ اول کے خاتمہ اور اس سلسلہ الذہب کی عقد زریں و آفرین ٹھہرے۔ 725ھ میں وہ اس منصبِ بلند پر فائز ہوئے اور اپنی وفات 757ھ تک علم و عمل کی شمع ان کی ذات سے روشن رہی اور ان کے فیوض و برکات سے دہلی اور اسلامی ہند کے نزدیک و دور افراد متمتع ہوتے رہے۔¹¹

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی کا یہ زمانہ سجادگی سلطان محمد بن تغلق کے عہدِ سلطنت (725ھ تا 752ھ) پر محیط ہے۔ یہ چھبیس، ستائیس سال اسلامی ہند کی سیاسی، معاشرتی، علمی و روحانی زندگی میں بڑی اہمیت کے مالک ہیں۔ اس عہد میں اگر ایک جانب محمد بن تغلق کی سخت مزاج، ضدی اور اکھڑ پن والی شخصیت ہے، تو دوسری جانب شیخ نصیر الدین محمود کی عظیم ہستی ہے، پہاڑ سے زیادہ مستحکم، زمین سے بڑھ کر محتمل، سمندر جیسی پرسکون کہ ہزاروں طوفانوں کو سمیٹے اور خاموش۔ وہ عزم کا کوہِ گراں، یقین کا پیکرِ جامع اور تسلیم و رضا کا پیرا یہ جمیل تھے۔ حضرت شیخ نے سلطان محمد بن تغلق کے مزاج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

خلیقِ نظامی لکھتے ہیں:

”عہدِ حاضر کے مؤرخوں کو شکایت ہے کہ سلطان نے حضرت شیخ کو جواذیتیں دیں معاشرت زد کروں میں ان کی تفصیل نہیں ملتی اور بعد کے لکھنے والوں نے جو بیان کیا ہے وہ ”کذب عوام الناس“ ہے۔ مگر ان اربابِ فضل و دانش نے یہ نہ سوچا کہ جب مظلوم ظلم کی اس طویل داستان کے بارے میں کہہ کر مہربل ہو جائے کہ ”میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک معاملہ تھا اُسے یوں طے کیا گیا۔ تو ان مظالم کی تفصیل کہاں مذکور ہوگی۔“¹²

ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اکثر مؤرخین نے حقائق کو چھپانے کی کوشش کی اس کی وجہ ان کی عدم توجہ یا سلطان کی طرف داری کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال انھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مؤرخ کا کام غیر

11 خلیق احمد نظامی، ”سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات“، ص: 362۔

12 خلیق احمد نظامی، ”سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات“، ص: 362۔

جانبدارہ کہ حالات و واقعات کو ضبط تحریر میں لانا ہوتا ہے تاکہ آنے والے زمانے کے لوگوں کے سامنے ماضی کی صحیح تصویر پیش کی جائے۔ یہ ان کی ذمہ داری بھی ہوتی ہے اور فریضہ بھی۔

حضرت شیخ کے خواجہ تاش شیخ برہان الدین غریب کو دولت آباد میں ان مظالم کا حال معلوم ہوا تو حسب روایت سید محمد گیسو دراز انھوں نے فرمایا:

”چہ کنم خوندمولانا محمود و علیم و کریم است و اگر او بخواہد، اس زمین اور او جملہ لشکر و خلیق و اسپاں و پیلان او فرو برد و آرونغے بر نیارو۔“¹³

”کیا کروں، اخوند مولانا محمود متخل و کریم ہیں، اگر وہ چاہیں تو زمین سلطان کو اور اس کے تمام لشکر اور آدمیوں، گھوڑوں اور ہاتھیوں کو نگل جائے اور ڈکار تک نہ لے۔“

محمد بن تغلق کے مظالم اور حضرت شیخ کے نخل کے بعد امیر خورد نے لکھا ہے:

”کاتب حروف (امیر خورد) عرض کرتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے دوستوں سے محبت کے سبب، اگر کوئی لغزش ہو جائے تو ان کو یہ اختیار دے دیتا ہے کہ اس کی سزا اس دنیا میں بھگت لیں، تاکہ کل قیامت کے دن اس کے ظاہر ہونے سے وہ اولیاء دنیا کے سامنے نجل نہ ہوں اور بدستور مکرم و محترم رہیں۔ اس کی تصدیق کے طور پر امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں بنی اسرائیل کے ایک نبی کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے دل میں ایک ”خطرہ“ گزرا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کا مواخذہ کیا کیونکہ ”المخلصون علی خطر عظیم“ (مخلصین بڑے خطرے میں ہیں) کہ کیا کہتے ہیں اس خطرہ کی جزاء اس دنیا میں چاہتے ہو یا روز قیامت میں اسے اختیار کرو گے؟ انھوں نے عرض کیا کہ اس کی سزا اس دنیا میں اختیار کرنا چاہتا ہوں تاکہ قیامت کے روز میدان محشر میں اولیاء و انبیاء کے روبرو اس ”خطرہ“ کے کشف سے شرمندہ نہ ہوں۔

¹³ محمد گیسو دراز، سید، ”جوامع الکلم“ (انڈیا: مطبع انتظامی حیدرآباد، دکن، 1356ھ)، ص: 260۔

چنانچہ اس خطرہ کی پاداش میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک عورت ان کے نکاح میں آئی۔ یہ عورت انھیں طرح طرح کی اذیتیں دیتی تھی۔ چونکہ اس نبی کو معلوم کہ یہ مصیبت انھوں نے خود اختیار کی ہے اس لیے ان بھاؤں کو دل سے قبول کرتے تھے اور اف تک نہ کرتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ان کے کچھ دوست ان کے گھر مہمان ہو کر آئے۔ وہ ان لوگوں کے آنے سے بہت خوش ہوئے اور چاہا کہ ان کے لیے کچھ کھانے کا انتظام کریں۔ چنانچہ وہ گھر میں گئے اور کھانا مانگا، تو اس عورت نے کھانا دینے سے انکار کر دیا اور بہت سختی سے پیش آئی۔ وہ نبی اس بات سے کبیدہ خاطر ہو کر باہر آئے دوستوں نے ان کے چہرے پر تکدر کے آثار دیکھے اور اسے محسوس کیا۔ وہ کئی بار گھر کے اندر گئے اور باہر آئے مگر عورت نے کھانا نہ دینا تھانہ دیا تھا۔ یہ دیکھ کر ان کے دوستوں میں سے ایک نے ان سے دریافت کیا کہ ماجرا کیا ہے؟ اس نبی نے اس دوست کو بتایا کہ ان کے دل میں ایک خطرہ گزرا جس کے باعث انھوں نے دنیا میں یہ عذاب خود اختیار کیا ہے (اور اس پر صابر و شاکر ہیں اور کسی سے کوئی شکایت نہیں کرتے۔)“¹⁴

امیر خور کے مندرجہ بالا بیان کے بعد محمد بن تغلق کے مظالم کی نوعیت کی تلاش بے سود ہے۔ اسی طرح جناب صباح الدین عبدالرحمان کا یہ دعویٰ کہ سلطان نے حضرت شیخ پر ظلم کیا ہی نہیں بلکہ ان سے اس کے تعلقات خوشگوار ہے، محض خوش فہمی اور خام خیالی ہے۔

برزم صوفیہ کی تردید:

بر عظیم کے مقتدر علمی ادارہ ”دارالمصنفین اعظم گڑھ“ کے کثیر التالیف بزرگ جناب سید صباح الدین عبدالرحمان مرحوم نے اپنی کتاب ”برزم صوفیہ“ میں یہ مؤقف اختیار کیا ہے:

¹⁴ محمد بن مبارک میر خور، سید، ”سیر الاولیاء“، ص: 256۔

”سلطان محمد بن تغلق نے حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کی کسی طرح کی کوئی اذیت نہ

پہنچائی بلکہ وہ ان کی تعظیم و تکریم بجالاتا۔“¹⁵

یہ دعویٰ نفس واقعہ کے خلاف بلکہ مؤلفین کے بیانات کے برعکس ہے۔ جناب صباح الدین کا استدلال یہ ہے کہ سلطان محمد تغلق شیخ نصیر الدین محمود کو اس لیے ایذا نہیں پہنچا سکتا تھا:

1- اسے مشائخِ چشتیہ سے عقیدت تھی اور شیخ علاؤ الدین اجدوہ بن کامرید تھا۔ اس ارادت سے ایذا رسانی کی تردید کیسے کی جاسکتی ہے؟ جیسا کہ صباح الدین صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سلطان کو شیخ رکن الدین ملتائی سے بھی بڑی عقیدت تھی اور ان کی مسند مشیخت پر شیخ کو بڑے اہتمام سے متمکن کیا تھا مگر پھر انہیں نہایت بے دردی سے ملتان سے دہلی بلا کر قتل بھی کروا دیا تھا اور ان کے تمام مال اسباب کو ضبط کر لیا تھا۔ صباح الدین صاحب کا استدلال بے دلیل ہے۔ نیز محمد بن تغلق کے مزاج سے ناواقفیت کا باعث بھی ہے۔

2- اسے شیخ برہان الدین غریب سے عقیدت تھی اس دعویٰ کے ثبوت میں صباح الدین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ دولت آباد میں سلطان ان سے ملنے گیا، یہ سن کر حضرت شیخ نے اللہ سے دعا کی کہ بادشاہ سے ملاقات نہ ہو، چنانچہ سلطان کے دل میں کیا بات آئی کہ راستہ سے واپس چلا گیا۔ اس نے کچھ رقم بطور نذرانہ بھیجی جسے انہوں نے فقراء میں تقسیم کر دیا۔¹⁶

اس واقعہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ حضرت برہان الدین غریب کو سلطان سے نفرت تھی اور اس کی وجہ شیخ نصیر الدین محمود سے اس کا ناروا اور ظالمانہ سلوک تھا۔ مشائخ کا یہ طریقہ تھا کہ اگر بادل نحواستہ سلاطین کے نذرانے لیتے تو انہیں فوراً فقراء میں تقسیم کر دیتے اور اپنے مصرف میں نہ لاتے تھے۔ یہی معاملہ سلطان کے نذرانہ کے ساتھ پیش آیا۔ صباح الدین لکھتے ہیں:

”سلطان محمد بن تغلق حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کو اپنے ساتھ ٹھٹھ لے گیا تھا، اس

میں اذیت رسانی کا کوئی شائبہ نہ تھا، ٹھٹھ کے دشوار گزار سفر میں ایک ضعیف العمر شیخ

¹⁵ صباح الدین عبدالرحمن، ”بزم صوفیہ“ (اعظم گڑھ: مطبع دارالمصنفین، 1954ء)، ص: 375۔

¹⁶ ایضاً، ص: 235۔

برصغیر میں اشاعتِ اسلام کے لیے صوفیہ کرام کی کاوشیں اور اثرات

کو لے جانا اور ان کے مشاغل میں خلل ڈالنا، کیا کسی دینی جذبہ سے تھا یا شیخ کی راحت

رسانی کے خیال سے؟ یہ بات متناقض بالذات ہے۔“¹⁷

درج بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سلطان محمد بن تغلق کے صوفیہ کرام سے کوئی اچھے

مراسم نہیں تھے۔

حضرت سید گیسودراز

شیخ نصیر الدین محمود کے معروف اور نامور خلفاء میں سید محمد گیسودراز بھی ہیں۔ یہ آٹھویں صدی ہجری

کے اختتام تک دہلی ہی میں رہے اس کے بعد وہ کن چلے گئے۔ سیر محمدی کے مرتب شاہ محمد علی تحریر کرتے ہیں:

”بعض لوگوں نے سلطان فیروز شاہ کو یہ خبر پہنچائی کہ سید محمد گیسودراز کی مجلس

سماع میں مریدین اپنے سر زمین پر رکھتے ہیں اور شور مچاتے ہیں، اس اطلاع پر

سلطان نے انھیں یہ پیغام بھیجا کہ محفلِ سماع خلوت میں منعقد کیا کریں۔ اس

کے بعد گیسودراز اپنے حجرہ میں مجلس سماع منعقد کرتے تھے اور خدام دروازہ

اندر سے بند کر دیتے تھے۔“¹⁸

اس حوالہ سے یہ معلوم ہے کہ سلطان مشائخ سے حسن عقیدت کے باوجود احکام شرعیہ کا پابند تھا اور صوفیہ

کرام بھی اس کے حکم کو بے چوں چوں تسلیم کرتے تھے۔ یہ بات باہمی حسن تعلقات کے بغیر ممکن نہیں۔

مخدوم سید جلال الدین بخاری

اوجھ کے مشہور سہروردی شیخ مخدوم جلال الدین بخاری المعروف مخدوم جہانیاں جہاں گشت عہد

سلاطین کے نامور صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ فیروز شاہ سے تعلقات کے بارے عقیف لکھتے ہیں:

”جب مخدوم جہانیاں سیاحت سے وطن واپس آئے تو سلطان فیروز شاہ کا عہد

سلطنت تھا۔ سلطان سے بھی ان کے تعلقات بیکر خوشگوار رہے۔ وہ سلطان کی

¹⁷ صباح الدین عبدالرحمن، ”بزم صوفیہ“، ص: 336۔

¹⁸ شاہ محمد علی سامانی، ”سید محمدی“، (الہ آباد: یونانی دواخانہ پریس، سن)، ص: 61۔

ملاقات کو متعدد بار دہلی آئے اور ہر مرتبہ سلطان نے نہایت گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور جن لوگوں کی سفارشیں انھوں نے کیں فیروز شاہ نے انھیں منظور کر لیا۔¹⁹

ایک مرتبہ فیروز شاہ نے حضرت مخدوم کی خانقاہ کے لیے وظیفہ مقرر کیا اور انعامات دیے تو انھوں نے بادشاہ کی اس نوازش کو جن الفاظ سے سراہا برنی اس بارے لکھتے ہیں:

”وظیفہ خانقاہ و انعامات کہ شاہ فیروز مارا دادہ اند بجمتہ نفع رسانیدن خلق خدا قبول کردہ شدہ اند۔“²⁰

خانقاہ کا وظیفہ اور انعامات جو بادشاہ نے ہم کو دیے وہ مخلوق خدا کو نفع پہنچانے کی غرض سے قبول کر لیے ہیں۔

خلاصہ بحث

اگرچہ سلطان فیروز شاہ کو مشائخ و صوفیہ سے بڑی عقیدت تھی اور اس نے ان کے اسلاف کے مقابر بھی تعمیر کروائے۔ ان کے جماعت خانے بنوائے اور خطیر نذرانے ان کی خدمت میں پیش کیے۔ مگر جس طرح وہ سلطنتِ دہلی کو انتشار سے بچانے میں ناکام رہا اسی طرح وہ صوفیہ کے مرکزی نظام کو دوبارہ قائم و استوار کرنے میں بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

¹⁹ شمس سراج عقیف، ”تاریخ فیروز شاہی“، ص: 333۔

²⁰ ضیاء الدین برنی، ”تاریخ فیروز شاہی“، ص: 351۔